Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

The Training System of Sufism in the Light of Maktubat-e-Mujaddidiya: An Analytical Study

مکتوباتِ مجددیہ کی روشنی میں تصوف وسلوک کا تربیتی نظام: ایک تحقیقی جائزہ

Dr. Wajahat Khan
Lecturer Islamic Studies, University of Kotli, AJ&K
Wajahat_iiui@yahoo.com
Dr. Naveed Altaf Khan
Lecturer, Department of Shariah, Faculty of Shariah & Law,
International Islamic University, Islamabad

Abstract

The system of spiritual training presented in the Maktubat of Imam Rabbani, Shaykh Ahmad Sirhindi (Mujaddid Alf Thani), is a comprehensive and structured model for the moral and spiritual development of the human self. The objective of this Sufi methodology is to free the soul from the dominance of nafs (base desires) and guide it towards the pleasure of Allah Almighty. This system is firmly rooted in adherence to Shariah, constant remembrance of Allah (dhikr), renunciation of dunya (worldlya attachment), and the companionship of a perfect spiritual guide (Shaykh Kamil). Imam Rabbani emphasised that true spiritual refinement lies in inner purification (tazkiyah al-nafs), which leads a seeker (salik) to proximity with the Divine (qurb Ilahi). This paper explores the core principles of Mujaddid Alf Thani's training methodology, including self-purification, avoidance of worldly love, the centrality of dhikr in spiritual healing, and the significance of the Shaykh–disciple (murid) relationship. It highlights how his system begins from the 'Alam al-Amr (metaphysical world) rather than the 'Alam al-Khalq (physical world), placing spiritual attraction (jadhbah) above disciplined effort (suluk). The concept of khalwat dar anjuman (solitude in the crowd) reflects the balanced integration of spiritual focus and social engagement. His teachings call for strict adherence to the Sunnah and a firm rejection of bid'ah (innovations) in religious practices. The study concludes with key suggestions for further research, such as simplifying the language of the Maktubat for wider accessibility, reorganising the letters thematically for ease of study, and codifying their spiritual guidance in a structured legal-like format to assist seekers (salikin) and researchers alike.

Keywords: *Imam Rabbani, Maktubat, spiritual training, Sufism, tazkiyah al-nafs, dhikr, Shaykh Kamil, suluk, jadhbah, khalwat dar anjuman, nafs, Shariah, Sunnah, bid'ah, salik, murid, Islamic spirituality, inner purification, Mujaddid Alf Thani, spiritual methodology.*

تعارف

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ہندوستان کی مذہبی، فکری اور روحانی فضا میں ایسی انقلابی تحریک برپا کی جس نے نہ صرف عقائد و افکار کی اصلاح کی بلکہ تزکیۂ نفس، اصلاحِ باطن اور روحانی تربیت کا ایسا منظم اور متوازن نظام پیش کیا جو آج بھی سالکینِ طریقت کے لیے مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی تربیتی حکمت عملی مکتوبات میں نمایاں طور پر جھلکتی ہے، جن میں سلوک کے تمام مراحل، روحانی مجاہدات، لطائف کی تربیت، اور تصوف کے عملی آداب تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ زیرِ نظر تحقیق میں ان ہی خطوط پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فکری و تربیتی نظام کا تجزیاتی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

حضرت مجددؒ کے مکتوبات میں پیش کردہ تربیتی نظام

تربیتی نظام دراصل انسانی شخصیت کی روحانی و اخلاقی تعمیر کا عمل ہے، جس کا مقصد انسان کو نفس کی غلامی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف گامزن کرنا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک تربیت کا دار و مدار شریعت کی پابندی، ذکرِ الٰہی، دنیا سے بے رغبتی، اور شیخِ کامل کی صحبت پر ہے۔ ان کے نزدیک حقیقی تربیت وہی ہے جو باطن کو پاک کرے اور بندے کو قربِ الٰہی کی راہ پر ڈال دے۔ اب اس تربیتی نظام کے اہم پہلوؤں کا ذرا تفصیلی جائزہ ذیل کی سطور میں لیا جاتا ہے۔

الف) نفس کی اصلاح کے مراحل

نفس کی اصلاح اور اس کی سلامتی کے لیے مجدد الف ثانی کے نزدیک ضروری ہے کہ انسان مسلسل اپنے نفس کی مخالفت کرتا رہے، کیونکہ یہی مخالفت اسے اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچاتی ہے۔ درحقیقت، شریعت کے احکام کا اصل مقصد بھی نفسانی خواہشات کو قابو میں لانا اور ان کی مخالفت کرنا ہے۔ اسی لیے کسی ایک شرعی حکم پر خلوصِ دل سے عمل کرنا، ہزاروں خود ساختہ مجاہدوں سے بہتر اور مؤثر ہے۔[1] تاہم شرعی احکام کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ برائیوں سے بچنا بھی لازمی ہے، کیونکہ صرف اوامر پر عمل تو فرشتے بھی کرتے ہیں، جبکہ نواہی سے بچنا نفس کی مخالفت کا اصل امتحان ہے۔ مزید یہ کہ تقویٰ حاصل کرنے کے لیے حرام چیزوں سے بچنے کے ساتھ ساتھ فضول مباحات سے بھی پرہیز ضروری ہے، کیونکہ ان میں غیر ضروری مشغولیت انسان کو مشتبہ امور سے ہوتے ہوئے حرام تک لے جا سکتی ہے۔[2]

ب) دنیاوی محبت سے اجتناب

مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک ہر وہ چیز 'دنیا' ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے، اور اگر کسی سے محبت یا تعلق اللہ کے حکم کے مطابق ہو تو وہ دنیا میں شمار نہیں ہوتا؛ لیکن یہی تعلق اگر رب سے غفلت کا سبب بن جائے تو وہی دنیا بن جاتی ہے۔ ان کے مطابق دنیا اور آخرت کی مثال دو سوکنوں جیسی ہے؛ جب ایک راضی ہوتی ہے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔[3] ان کے خیال

در حقیقت دنیا ایک آزمائش ہے جو بظاہر خوشنما، میٹھی اور تروتازہ نظر آتی ہے، لیکن اس کا باطن فتنہ، دھوکہ اور ہلاکت کا سبب ہے۔ جو شخص اس کی چمک دمک میں گرفتار ہو جائے، وہ دائمی نقصان کا شکار ہو جاتا ہے۔[4] ان کے نزدیک خصوصاً اہلِ ثروت اور اہلِ اقتدار سب سے بڑی آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں، کیونکہ وہ دنیا کی ظاہری چمک دمک اور وقتی آسائشوں کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں، حالانکہ یہی دنیا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہایت مبغوض و ناپسندیدہ ہے۔ وہ جس چیز کو باعثِ فخر و عزت سمجھتے ہیں، حقیقت میں وہی ان کے زوال و ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے نجاست کو سونے سے ملمع کر دیا جائے یا زہر کو چینی میں لپیٹ کر پیش کیا جائے، یعنی بظاہر پرکشش مگر اندر سے نقصان دہ۔[5]

مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک جہاں دنیا کی محبت عام انسانوں کے لیے خسارہ کا باعث ہے، وہیں علماء کے لیے دنیاوی محبت ان کے جمال کا بدنما داغ ہے۔ ان کے نزدیک دنیا کی محبت میں گرفتار علماء، تمام مخلوق سے بدتر ہیں اور وہ دین کے چور شمار ہوتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ اپنے آپ کو مخلوق سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ان ہی علما کی وجہ سے اس زمانے میں افراد شرعی احکام کی بجا آوری میں سستی اور کاہلی کا شکار ہیں۔ ان لوگوں کے مقابلے میں جو علماء دنیا کی رغبت، جاہ و ریاست، اور مال کی محبت سے آزاد ہیں، وہ علماء آخرت ہیں اور انبیاء کے حقیقی وارث ہیں۔ علمائے حق کی قلم کی سیاہی قیامت کے دن شہداء کے خون کے ساتھ تولی جائے گی۔ ان علماء کی مثال پارس کے پتھر کی مانند ہے، جس سے بھی ملیں، اسے سونا بنا دیں۔

مجدد الف ثانی کے نزدیک دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے، اور اس کا علاج اس سے اجتناب کرنا ہے تاکہ انسان اپنی توجہ آخرت کی طرف مبذول کرے۔ دنیا اور آخرت کو یکجا کرنا، دو متضاد چیزوں کو ملا دینے کے مترادف ہے۔[6] آخرت کی طلب کے لیے دنیا کو ترک کرنا ضروری ہے، مگر حقیقی ترک مشکل ہے، اس لیے حکمی ترک کو اختیار کرنا چاہیے۔ حکمی ترک سے مراد یہ ہے کہ انسان تمام دنیاوی امور میں شریعت مطہرہ کی پاسداری کرے۔ جب تمام دنیاوی امور شریعت کے مطابق ہوں گے، تو دنیا آخرت کے ساتھ جمع ہو جائے گی اور دنیا کے نقصان سے بچا جا سکے گا۔ اس کے علاوہ، دنیا میں فضول مباح چیزوں سے صرف بقدر ضرورت فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ مزید برآں، مباح کا استعمال حسن نیت کے ساتھ ہونا چاہیے، مثلاً کھانے پینے کا مقصد عبادت کے لیے قوت حاصل کرنا ہو۔[7]

مجدد الف ثانی کے نزدیک دنیا کی محبت سے اجتناب کا ایک اہم ترین امر یہ ہے کہ اہل دنیا کی محبت سے بچا جائے۔ اہل دنیا سے بچنا اس طرح ہونا چاہیے جیسے انسان ببر شیر کو دیکھ کر خوف کے مارے فوراً بھاگ جائے۔ شیخ بہاء الدین سرہندی کو ایک مکتوب میں مجدد الف ثانیؒ نے اہل دنیا کی محبت سے اجتناب کی نصیحت کرتے ہوئے لکھا: "اہل دنیا کی محبت سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو، کیونکہ شیر تو محض دنیاوی موت کا باعث بنتا ہے اور وہ کبھی آخرت میں فائدہ دے جاتی ہے۔ بادشاہوں سے میل

جو ل ہمیشہ کی ہلاکت اور دائمی خسارے کا باعث ہے۔ اس لیے ان کی صحبت سے بچو، ان کے لقمے سے بچو، ان کی محبت سے بچو اور ان کے ملنے سے بچو۔"[8]

ج) ذکر الٰہی

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نقطۂ نظر کے مطابق ذکر کا اصل مقصد غفلت کو دور کرنا ہے، اسی لیے انسان ہر وقت ذکر کا محتاج ہے۔ ذکر صرف "نفی و اثبات" یا "اسمِ ذات" تک محدود نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب بھی ذکر کے دائرے میں آتا ہے۔ البتہ وہ ذکر جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ساتھ ہو، زیادہ مؤثر ہوتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی محبت انسان کو شرعی احکام کی مکمل پاسداری پر آمادہ کرتی ہے۔ اور یہی محبت تب حاصل ہوتی ہے جب دل ذکرِ الٰہی سے معمور ہو۔[9]

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، اور جب ذکر میں محبتِ الٰہی غالب آ جائے تو یہ طمانیت دل میں گہری جڑ پکڑ لیتی ہے۔ جب دل اس اطمینان تک پہنچ جائے تو انسان ہمیشہ کی دولت پا لیتا ہے۔[10] انسان کو چاہیے کہ عقائد کی درستی اور فقہی احکام کی بجا آوری کے بعد مستقل طور پر ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے، یہاں تک کہ ذکر اس قدر غالب آ جائے کہ دل سے دنیا کی تمام اشیاء کی محبت زائل ہو جائے اور دل میں صرف اللہ کی محبت باقی رہ جائے۔ یہاں تک کہ اگر انسان تکلّفاً بھی کسی اور چیز کو یاد کرنا چاہے، تو وہ یاد نہ آئے۔[11]

حضرت مجدد الف ثانی کی فکری منہج کے مطابق، باطنی امراض میں مبتلا شخص کا علاج سب سے پہلے ضروری ہے، تاکہ اُسے عبادت کی راہ پر گامزن کیا جا سکے۔ اُنہوں نے اس حقیقت کو ایک تمثیل کے ذریعے یوں واضح کیا کہ جیسے معدے کے مریض کے لیے مقوی غذا نقصان دہ ہو سکتی ہے، اسی طرح ایک روحانی مریض کے لیے بعض اوقات شرعی احکام اس کی حالت کو مزید بگاڑ سکتے ہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کا روحانی علاج ذکرِ الٰہی کی کثرت سے کیا جانا چاہیے، تاکہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو، اور وہ شرعی احکام کی ادائیگی کو آسان محسوس کرے۔[12]

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے نقشبندی سلسلے کے سالکین کے ذکر کے طریقۂ کار کے حوالے سے فرمایا کہ اس سلسلے میں جہری ذکر کی اجازت نہیں، لہٰذا سالکین کو دل سے ذکر کرنا چاہیے، اور جب دل خفی ذکر سے تھک جائے تو زبان سے آہستہ اور پوشیدہ طور پر ذکرِ الٰہی جاری رکھیں۔[13] ذکر کی غیر معمولی اہمیت کے پیشِ نظر، حضرت مجددؒ نے نقشبندی سلسلے سے وابستہ ابتدائی درجے کے سالکین کو خاص طور پر ہدایت دی کہ وہ کثرت سے ذکر کریں اور ذکر کے علاوہ کسی دوسرے مشغلہ میں خود کو مشغول نہ کریں۔

فرض اور سنتِ مؤکدہ نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نوافل اور تلاوتِ قرآن کے مقابلے میں ذکرِ الٰہی کو زیادہ اہمیت دیں، یہاں تک کہ ہر حالت میں۔ چاہے وہ اُٹھنا بیٹھنا ہو، چلنا پھرنا ہو، کھانا پینا ہو یا سونا۔ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہیں۔[14]

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ابتدائی درجے کے سالکین کے لیے ذکرِ ذاتِ الٰہی کے بعد ذکرِ نفی و اثبات کی خاص تلقین فرمائی، جو اہلِ طریقت کے نزدیک تصور اور سانس کے ساتھ کلمۂ طیبہ "لا الہ الا اللہ" کے ورد پر مشتمل ہے۔ اُن کے نزدیک یہ ذکر شریعت اور طریقت دونوں کا نچوڑ ہے، جس میں "لا" کے ذریعے ہر غیر اللہ کی نفی کی جاتی ہے، خواہ وہ آسمان، زمین، عرش، کرسی یا لوح و قلم ہی کیوں نہ ہوں، اور "الا اللہ" کے ذریعے صرف ایک معبودِ برحق کا اثبات کیا جاتا ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔[15] حضرت مجددؒ نے اس ذکر کو تزکیۂ نفس کا بہترین ذریعہ قرار دیا اور اُسے وضو کے مشابہ سمجھا جو نماز کے لیے شرط ہے؛ اسی طرح یہ ذکر بھی قلب کی طہارت اور باطنی عبادات کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس ذکر کی برکت سے نفسِ امّارہ ترقی پا کر نفسِ مطمئنہ کے درجے تک پہنچ جاتا ہے اور سالک مقامِ فنا میں داخل ہو جاتا ہے یہ ذکر دوزخ کی آگ کو ٹھنڈا کرنے، غضبِ الٰہی کو زائل کرنے اور گناہوں کو مٹانے کی تاثیر رکھتا ہے، بلکہ جنت میں داخلے کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔[16]

د) شیخ کامل کی رہنمائی

مجدد الف ثانی کے نزدیک پیر وہ شخص ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی راہ دکھاتا ہے۔ ان کے نزدیک جس شخص کو صاحبِ شریعت کی محافظت اور شیخِ مقتدا کی محبت و اخلاص نصیب ہو جائے، وہ بے شمار نعمتوں سے مالا مال ہو جاتا ہے اور پھر کسی اور چیز کی محرومی پر اسے افسوس کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔[17] ان کے خیال میں شیخِ کامل وہی ہوتا ہے جسے شریعت پر استقامت حاصل ہو، جس کی صحبت سے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت پیدا ہو، اور جس کا دل دنیا و مافیہا سے بے رغبت ہو جائے۔ ایسا شخص سچا اولیاء اللہ میں شمار ہوتا ہے، جو نہ صرف اللہ رب العالمین سے فیض حاصل کرتا ہے بلکہ طالبِ حق کو مطلوبہ مقام تک پہنچنے کا راستہ بھی دکھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔[18]

مجدد الف ثانی کے نزدیک پیر بذاتِ خود کوئی حتمی مقصد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتا ہے۔ جوں جوں بندہ اللہ کے قریب ہوتا جاتا ہے، پیر کا ظاہری کردار اسی مناسبت سے کم ہوتا جاتا ہے۔[19] اگر کسی کو بغیر وسیلے کے محبوبِ حقیقی کا قرب حاصل ہو جائے تو یہ ایک عظیم نعمت ہے، ورنہ انسان کو لازمی طور پر شیخِ کامل کا وسیلہ تلاش کرنا چاہیے۔[20] مزید یہ کہ اگر کسی مرید کو اپنے شیخ کے علاوہ کسی اور زیادہ کامل شخصیت کا علم ہو جائے اور اس سے دل کو زیادہ سکون، نورانیت اور ہدایت محسوس ہو، تو وہ اپنے موجودہ شیخ کی اجازت کے بغیر بھی اس سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے، کیونکہ پیر صرف وسیلہ ہے، خود مقصد نہیں۔ خاص طور پر آج کے دور میں جب روایتی پیری مریدی عام ہو چکی ہے اور بہت سے پیر کفر و ایمان کے بنیادی

اصولوں سے ناواقف ہیں، ایسے افراد پر غیر مشروط اعتقاد رکھنا اور ان کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف رجوع نہ کرنا شیطانی فریب کے علاوہ کچھ نہیں۔ تاہم، مرید کو چاہیے کہ اپنے سابق شیخ کا احترام اور نیکی کے ساتھ ذکر کرتا رہے اور انکار سے اجتناب کرے۔[21]

شیخِ کامل کی صحبت مرید کے لیے سرخ گندھک کی مانند ہے، جو روحانی دنیا میں کیمیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ شیخ کی نظر دوا اور اس کی بات شفا ہوتی ہے۔[22] جب مرید اپنے شیخ کو یاد کرتا ہے، تو شیخ کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوتی ہے، اور جب مرید اپنی تمام مرادوں کو شیخ کے تابع کر دیتا ہے، تو وہ "فنافی الشیخ" کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، جہاں سے ترقی کرتے ہوئے اسے "فنافی اللہ" کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔[23] روحانی دنیا میں شیخِ کامل مرید کی ذاتی استعداد سے بڑھ کر فیض عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مثلاً اگر کسی مرید کی صلاحیت نقشبندی سلسلے میں صرف لطیفۂ قلب تک محدود ہو، تو شیخِ کامل اسے بلند کرتے ہوئے لطیفۂ روح تک پہنچا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں، شیخِ کامل کو نہ صرف روحانی نسبت عطا کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ جب چاہے اس نسبت اور روحانی فیض کو واپس لینے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔[24]

اللہ تعالیٰ کی رضا، شیخِ کامل کی رضا میں مضمر ہے اور اسی طرح شیخ کی ناراضی میں بھی اللہ کی ناراضی پنہاں ہوتی ہے، لہٰذا مریدین پر لازم ہے کہ وہ اپنے پیر و مرشد کے آداب کا مکمل خیال رکھیں۔ انہیں چاہیے کہ ہمیشہ اپنے شیخ سے رابطے میں رہیں، ان کی اطاعت کریں اور ان کی تقلید کو اپنا شعار بنائیں۔ ہر چھوٹے بڑے عمل میں، حتیٰ کہ نفل عبادات اور اذکار میں بھی شیخ کی اجازت مقدم رکھیں۔ ادب کے تقاضے کے مطابق مرید کو چاہیے کہ وہ اپنے شیخ کے مصلے پر قدم نہ رکھے، وضو کی جگہ پر طہارت نہ کرے اور ان کی موجودگی میں کھانے پینے سے گریز کرے۔ شیخ کی مجلس میں خاموشی اور ادب کے ساتھ بیٹھنا ضروری ہے، اور مرید کو شیخ سے کرامات کا طلبگار نہیں ہونا چاہیے بلکہ جو کچھ بھی شیخ سے ظاہر ہو، اسے حق اور صواب سمجھ کر قبول کرنا چاہیے۔ اگر مرید کے دل میں کسی بات پر شک یا شبہ پیدا ہو تو عاجزی سے عرض کرے اور اپنی کوتاہی سمجھ کر شیخ سے تعلق کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنائے، اور دل کے فتور سے بچنے کے لیے استغفار کرے۔ مزید برآں، مرید کو مباح عمل پر شیخ پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مباحات کا دائرہ بندوں کے لیے وسیع رکھا ہے، لہٰذا اگر شیخ شریعت کے دائرے میں کوئی مباح عمل انجام دیں تو مرید کو اعتراض کی بجائے تسلیم اور ادب کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔[25]

ر) شیخ کے تربیتی آداب

شیخِ کامل پر لازم ہے کہ اگر وہ محسوس کرے کہ مرید کی روحانی ترقی کی صلاحیت موجود ہے لیکن خود اس کی مکمل رہنمائی نہیں کر سکتا تو اسے مرید کو دوسرے کامل شیخ کے سپرد کر دینا چاہیے تاکہ مرید خود کو کامل نہ سمجھے اور دوسروں کی گمراہی کا سبب نہ بنے۔

[26] شیخ کو چاہیے کہ وہ اپنی شخصیت کو سنوارے، حد سے زیادہ مریدین سے میل جول سے گریز کرے تاکہ مریدین کی نظر میں اس کی وقعت برقرار رہے اور وہ ان سے بھرپور فیض حاصل کریں۔[27] مرید کی آمد پر شیخ کو محتاط رہنا چاہیے اور اگر خوشی محسوس ہو تو اسے کفر و شرک کے مترادف سمجھ کر فوراً توبہ و استغفار کرے۔ پیر کو لازم ہے کہ وہ مرید کے دنیاوی مال و دولت یا کسی بھی قسم کے دنیاوی فوائد کی حرص سے بچے کیونکہ یہ حرص سلوک کے راستے میں رکاوٹ اور خرابی کا سبب بن سکتی ہے۔[28] اگر مرید نے پہلے ناقص پیر سے تعلیم حاصل کی ہو تو شیخ کو پہلے سابقہ اثرات دور کر کے مرید کی استعداد کے مطابق رہنمائی کرنی چاہیے۔ ساتھ ہی شیخ کو اپنے احوال پر نظر رکھنی چاہیے، فخر و غرور سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ اس کی روحانی زوال کا سبب بن سکتا ہے۔ مرید کے باطنی احوال سن کر شیخ کو ندامت اور عجز کے ساتھ اپنی روحانی غیرت کو بیدار رکھنا چاہیے، اور اپنے اعمال کو کم تر سمجھتے ہوئے محنت جاری رکھنی چاہیے کیونکہ یہی شیخ کی اصل زینت ہے۔[29]

س) مجدد الف ثانیؒ کے پیش کردہ نقشبندی اصولِ تربیت

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سلسلہ نقشبندیہ کو شریعت کی بنیاد پر استوار کرتے ہوئے روحانی سلوک کو سنتِ نبوی ﷺ کے تابع بنایا۔ ان کے نزدیک روحانی ترقی کا حقیقی راستہ شریعت کی پیروی، ذکرِ خفی، اور صحبتِ صالحین سے جڑ کر اللہ کی رضا کا حصول ہے۔ ذیل میں ان کے قائم کردہ تربیتی نظام کے اہم اصولوں کا مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

التزام سنت

سلسلہ نقشبندیہ میں التزامِ سنت کو لازمی قرار دیا گیا ہے، اور امورِ دینیہ میں عزیمت کو ترجیح دیتے ہوئے رخصت پر عمل کو ناپسند کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کے بزرگ ایسے احوال و مواجید کو پسند نہیں کرتے جو سنت کی ادائیگی کے بغیر ظاہر ہوں۔ مجدد الف ثانی کے نزدیک انسان کی فلاح کے لیے ضروری ہے کہ اس کا عقیدہ صحیح ہو، وہ احکامِ شرعیہ پر عمل پیرا ہو، اور اخلاص کی تربیت کے لیے بزرگانِ دین کی صحبت اختیار کرے۔ وہ بدعات کے ارتکاب سے سختی سے منع کرتے ہیں اور اس معاملے میں بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم کو بھی ناقابلِ قبول قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک بدعت حسنہ میں بھی نہ کوئی نورانیت ہے اور نہ کوئی حسن؛ ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے اور سنت کو مٹانے کا سبب بنتی ہے۔[30]

مجدد الف ثانی نے طریقہ نقشبندیہ میں بزرگوں سے ہٹ کر کیے جانے والے اذکار اور اشغال کو طریقت میں بدعت قرار دیا ہے۔ وہ ایسے لوگوں پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں جو اس سلسلے میں نئے طریقوں کو رواج دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک گروہ نے اس جماعت کی عظیم دولت کو گنوانے کے بعد ہر طرف ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے ہیں۔ یہ کبھی جہری ذکر کرتے ہیں، کبھی سماع و رقص سے سکون ڈھونڈتے ہیں، اور کبھی چلہ و خلوت کو اختیار کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ان بدعات کو سلسلہ

نقشبندیہ کی تکمیل اور تکمیل کا ذریعہ سمجھتے ہیں، حالانکہ ان بدعات کی وجہ سے اس سلسلے کی برکتیں رک گئی ہیں اور اس کے حقیقی مقاصد سے دوری پیدا ہو چکی ہے۔[31]

گسستن پیوستن

بعض صوفیاء کے نزدیک اللہ سے واصل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان پہلے مخلوق سے گسستن (یعنی جدا ہونا) اختیار کرے، تاکہ دل دنیاوی مشغولیات سے ہٹ کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ جبکہ کچھ دیگر صوفیاء کا خیال ہے کہ بندہ جب اللہ سے پیوستن (یعنی جُڑ جانا) حاصل کرلے، تب اُسے مخلوق سے گسستن اختیار کرنی چاہیے تاکہ تعلقِ مع اللہ میں خلل نہ آئے۔ کچھ صوفیاء نے ان دونوں آراء کے درمیان خاموشی اختیار کی ہے۔ تاہم، مجدد الف ثانیؒ کا مؤقف ان سب سے مختلف اور متوازن ہے۔ ان کے نزدیک اللہ سے پیوستن حاصل کرنے کے لیے ابتدا میں مخلوق سے گسستن ضروری ہے، لیکن جب بندہ اللہ کے وصل اور قرب کی نعمت پالے تو پھر اُسے مخلوق کے ساتھ دوبارہ پیوستن اختیار کرنا چاہیے۔ یہ تعلق ذاتی فائدے کے لیے نہیں بلکہ مخلوق کی رشد و ہدایت کے لیے ہونا چاہیے، تاکہ انسان اللہ سے جُڑا رہتے ہوئے بندگانِ خدا کی اصلاح اور فلاح کے ذریعے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کرسکے۔[32]

خلوت در انجمن

خلوت در انجمن سے مراد یہ ہے کہ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ رہنا اور باطن میں اللہ کے ساتھ جڑے رہنا۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس کا پورا باطن اللہ کے لیے مخصوص ہو، جبکہ اس کے ظاہر کا ایک حصہ اللہ کے لیے اور دوسرا حصہ مخلوق کے ساتھ تعلقات اور حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے وقف ہو۔ اس طرح ایک شخص بظاہر مخلوق سے قطع تعلق نہیں کرتا، بلکہ مخلوق کے ساتھ رہتے ہوئے دنیاوی امور انجام دینے کے ساتھ اس کا باطن مسلسل اپنے رب کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔ مجدد الف ثانی نے اس حوالے سے اولیاء کے دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلا گروہ اولیاء عزلت کہلاتا ہے، جو مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں، جبکہ دوسرا گروہ اولیاء عشرت ہے، جو مخلوق کے ساتھ تعلقات قائم رکھتے ہیں۔ مجدد صاحب نے اولیاء عشرت کو افضل قرار دیا ہے۔ مجدد الف ثانی سے جب ایک شخص نے گوشہ نشینی کی اجازت طلب کی تو انہوں نے اسے اس شرط پر اجازت عطا فرمائی کی کہ اس سے اس کے دینی معاملات میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو اور نہ ہی مخلوق کے حقوق میں کسی قسم کی کمی واقع ہو۔[33]

عالم امر سے ابتدا

مجدد الف ثانی کے نزدیک دیگر سلاسل میں سالک کا روحانی سفر عالم خلق سے شروع ہوتا ہے، جہاں تزکیہ اور تصفیہ پر زور دیا جاتا ہے۔ ایک طویل عرصے کی مشقت کے بعد سالک کو عالم امر میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس، نقشبندی سلسلے کی ابتدا ہی عالم امر سے ہوتی ہے، اور اس کی بنیاد صحبت پر قائم ہے۔ نقشبندی سلسلے کے بزرگانِ دین ایک سالک کو ابتدائی صحبت ہی میں وہ عروج اور بلندی عطا فرمادیتے ہیں جو دیگر سلاسل میں لوگوں کو طویل ریاضت کے بعد، یعنی انتہا میں حاصل ہوتی ہے۔ انتہا پر پہنچنے والے سالک کو وصلِ عریاں کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اس مقام پر سالک کو ایک عجیب کیفیت کا سامنا ہوتا ہے، جہاں حیرت، یاس اور ناامیدی کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ جن سالکین کو اسماءِ صفات میں تفصیلی عروج حاصل ہوتا ہے، وہ ہمیشہ سرور کی کیفیت میں رہتے ہیں اور اس مقام سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ دوسری جانب، جن سالکین کو اجمالی سیر نصیب ہوتی ہے، وہ اس مقام سے اگلے مراحل کے لیے عروج پالیتے ہیں اور مزید روحانی ترقی کے راستے ان کے لیے کھل جاتے ہیں۔[34]

سفر در وطن

تصوف کی اصطلاح "سفر در وطن" سے مراد وہ روحانی سفر ہے جو سالک اپنی اصل حقیقت یعنی عالمِ امر کی طرف کرتا ہے۔ عالمِ امر وہ نورانی اور ماورائی جہان ہے جہاں سے روح کا تعلق ہے، اور سالک کی سلوک کی راہ اسی عالم کی طرف واپسی ہوتی ہے۔ جب سالک اس سفر کا آغاز کرتا ہے تو اس کے باطن میں موجود لطائف بیدار اور متحرک ہو جاتے ہیں، اور وہ سب سے پہلے سیر انفسی یعنی اپنے نفس، باطن اور باطنی کیفیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس سے سالک کی روحانی استعداد بڑھتی ہے۔ اس کے بعد سیر آفاقی کا مرحلہ آتا ہے جس میں وہ کائنات، مظاہرِ فطرت اور مخلوقات کی روحانی حقیقتوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جب سالک ان مراحل سے گزرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے وہ "سیر عن اللہ باللہ" کے مقام تک پہنچتا ہے، یعنی اللہ ہی کے ساتھ، اللہ ہی کی طرف سیر کرتا ہے۔ اس مقام پر سالک کو مخلوق کی رہنمائی کا فریضہ سونپا جاتا ہے۔ نقشبندی سلسلہ سلوک میں یہی ترتیب اختیار کی جاتی ہے کہ ابتدا میں ہی سالک کو عالمِ امر کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، جب کہ بعض دیگر سلاسل میں اس کے برعکس پہلے آفاقی سیر اور عالمِ خلق کی طرف رجوع کرایا جاتا ہے اور بعد میں باطن کی طرف لایا جاتا ہے۔ نقشبندی ترتیب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سالک کو براہِ راست اس کی اصل روحانی منزل کی طرف لے جاتی ہے، جس سے باطنی ترقی جلد اور گہری ہوتی ہے۔[35]

جذبہ کا سلوک پر مقدم ہونا

سلسلہ نقشبندیہ میں "جذبہ" کو "سلوک" پر مقدم سمجھا جاتا ہے، یعنی سالک کی روحانی کشش کو ریاضتوں اور مجاہدات پر فوقیت دی جاتی ہے۔ یہاں جذبے سے مراد وہ باطنی کشش ہے جو سالک کو اس کے لطائف کی اصل یعنی عالمِ امر کی طرف کھینچتی ہے۔

جب یہ جذبہ غالب آتا ہے تو سالک کے قلب پر انوار و تجلیات کا ورود ہوتا ہے اور اس کے نفس کے عناصرِ اربعہ (خاک، آب، ہوا، آگ) توازن واعتدال میں آجاتے ہیں۔ اس کے برعکس، دیگر سلاسل مثلاً چشتیہ، سہروردیہ وغیرہ میں سلوک کو جذبے پر مقدم رکھا جاتا ہے، یعنی پہلے ریاضتوں اور مجاہدات کے ذریعے قلب کی صفائی کی جاتی ہے اور اس کے بعد جذبے کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر کسی سالک کو راہِ سلوک میں ابتداء ہی میں جذبہ نصیب نہ ہو تو شیخ کامل اپنی روحانی توجہ اور تربیت کے ذریعے اس کی رہنمائی کرتے ہیں تاکہ وہ اس مقام تک پہنچ سکے۔ اور اگر کسی شخص کے لطائف میں حرکت و جنبش پیدا نہ ہو، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس پر عالمِ خلق کا اثر غالب ہے اور اس کی روحانی صلاحیت مضمحل ہے۔ ایسے شخص کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اسے جسمانی ریاضتوں میں مشغول کیا جائے تاکہ اس کے نفس کا تزکیہ ہو، اور وہ سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے عالمِ امر میں جذبے اور سرور کی کیفیات حاصل کر سکے۔[36]

خلاصہ بحث

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تربیتی نظام کی بنیاد شریعت کی پاسداری، باطن کی اصلاح، اور روحانی ترقی کے اصولوں پر ہے، جن کا خلاصہ درج ذیل نکات میں پیش کیا گیا ہے۔

1. تربیت کا مقصد نفس کی مخالفت اور اللہ کی رضا کا حصول ہے۔
2. دنیا کی محبت کو روحانی زوال کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔
3. ذکرِ الٰہی کو اصلاحِ باطن کا مرکزی ذریعہ بنایا گیا ہے۔
4. شیخِ کامل کی صحبت کو سلوک کی کامیابی کی کلید قرار دیا گیا ہے۔
5. شیخ و مرید دونوں کے لیے آداب و حدود متعین کیے گئے ہیں۔
6. سنتِ نبوی ﷺ کی مکمل پیروی اور بدعات سے اجتناب لازم ہے۔
7. خلوت در انجمن کے اصول سے ظاہر و باطن میں توازن قائم ہوتا ہے۔
8. نقشبندی سلسلہ تربیت کا آغاز عالمِ امر سے کرتا ہے۔
9. جذبہ کو سلوک پر فوقیت حاصل ہے۔

سفارشات

1. مکتوباتِ امام ربانیؒ کو تصوف میں مرکزی مقام حاصل ہے، تاہم ان کی زبان علمی اور دقیق ہے، جس کی وجہ سے عام قاری کے لیے براہِ راست استفادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اہل علم نے ان کی تشریح و توضیح پر کام کیا ہے، لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں مزید عام فہم اور سہل زبان میں ترتیب دیا جائے تاکہ افادہ عام ممکن ہو سکے۔
2. مکتوبات میں مختلف موضوعات کا ذکر منتشر انداز میں موجود ہے، جو قاری کے لیے یکجائی استفادے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ مکتوبات کو موضوعاتی بنیاد پر منظم کیا جائے تاکہ ایک جیسے مضامین کو یکجا کر کے قاری کو سہولت فراہم کی جا سکے۔
3. مکتوباتِ امام ربانیؒ بالخصوص سلسلہ نقشبندیہ کے سالکین کے لیے ایک آئینی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں تصوف و سلوک کے اصول و ضوابط بیان کیے گئے ہیں، جنہیں فقہی دفعات کی طرز پر درجہ بندی کر دیا جائے تو نہ صرف سالکین
4. بلکہ محققین کے لیے بھی ان سے استفادہ مزید آسان اور منظم ہو جائے گا۔

حوالہ جات:

1 مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی۔ (2021ء، جولائی)۔ مکتوبات امام ربانی۔ (قاضی عالم الدین نقشبندی مجددی، ترجمہ؛ خواجہ محمد جدید بدخشی طالقانی، ترتیب و تدوین)۔ لاہور: شبیر برادرز۔ ی جلد اول، مکتوب نمبر 52۔

2 امام ربانی، مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 286۔

3 امام ربانی، مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 232۔

4 امام ربانی، مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 73۔

5 ایضا، مکتوب نمبر 215۔

6 ۔ ایضا، مکتوب نمبر 232۔

7 ۔ مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 73۔

8 ۔ ایضا، مکتوب نمبر 138۔

9 ۔ ایضا، مکتوب نمبر 46۔

10 ۔ ایضا، مکتوب نمبر 92۔

11 ۔ مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 49۔

12 ۔ ایضا، مکتوب نمبر 105۔

13 ۔ ایضا، مکتوب نمبر، 13۔

[14]. مکتوبات امام ربانی، جلد سوئم مکتوب نمبر 84۔

[15] ۔ایضا، مکتوب نمبر 9۔

[16] ۔ مکتوبات امام ربانی، جلد دوم مکتوب نمبر 37 ۔

[17] ۔مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 280۔

[18] ۔مکتوبات امام ربانی، جلد سوئم، مکتوب نمبر 169۔

[19] ۔مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 169۔

[20] ۔ ایضا، مکتوب نمبر 78۔

[21]۔مکتوبات امام ربانی جلد اول، مکتوب نمبر 63۔

[22]۔ایضا، مکتوب نمبر 23۔

[23] ۔ایضا، مکتوب نمبر 187۔

24۔ایضا، مکتوب نمبر 221۔

[25]۔مکتوبات امام ربانی جلد اول، مکتوب نمبر 224، 292

[26]۔ایضا، مکتوب نمبر 287۔

[27]۔ایضا، مکتوب نمبر 227۔

.[28]ایضا، مکتوب نمبر 171۔

.[29]ایضا، مکتوب نمبر 238۔

.[30]مکتوبات امام ربانی جلد اول، مکتوب نمبر 168 ۔

31۔مکتوبات امام ربانی، جلد اول، ایضا، مکتوب نمبر 168، 266۔

32 . مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر 147۔

33۔ایضا، مکتوب نمبر 221 و 272۔

[34]۔مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 211۔

.[35]ایضا، مکتوب نمبر 211۔

.[36]مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 145 و 287۔